عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں

محرکات، مسائل اور مقاصد

(۷)

از جناب ڈاکٹر محمد لیسین مظہر صدیقی استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اس سے ایک اہم نکتہ ابھرتا ہے اور وہ ہے مختلف منازل کا۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ان مہموں کا مقصد قریشی کاروانوں پر تاخت تھی تو مہموں کو شاہراہ تجارت یا قریشی کاروانوں کی گذرگاہ کے مختلف منازل پر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ مہمیں مدینہ سے جن مختلف منازل کی جانب بھیجی گئی تھیں ان کی مسافت شہر رسول سے تیس اور سو میل کے درمیان تھی۔ یہ نکتہ حسب ذیل نقشے سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

مہم	منزل	مدینہ سے فاصلہ
سریہ حمزہ	العیص/سیف البحر	تقریبًا ۳۰ میل
سریہ عبیدہ	رابغ	،، ۶۰ میل
سریہ سعد	خرّار	،، ۱۰۰ میل
غزوہ ودّان	الواء/ودّان	،، ۸۰ میل

[illegible] ۶

غزوہ بواط	بواط	تقریباً [illegible] میل
" ذوالعشیرہ	ذوالعشیرہ	[illegible] میل
" ینبع	ینبع	
" سفوان	سفوان	

اس نقشے میں سریہ نخلہ اور پہلے غزوہ سفوان کی مسافت نہیں دکھائی گئی ہے کیونکہ ان کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ لیکن اگر سریہ نخلہ کو بھی شامل کر لیا جائے جیسا کہ جدید تاریخ دانوں کا اصرار ہے کہ اس کی منزل مدینہ سے چار سو کلومیٹر کے قریب تھی اور اس سے ہماری دلیل کو اور تقویت ملتی ہے۔ عام تاثر بلکہ یقین یہ ہے کہ مذکورہ بالا پہلی چھ مہیں اس بین اقوامی شاہراہِ تجارت پر گذرنے والے قریشی کاروانوں کو لوٹنے کے لئے گئی تھیں جو یمن سے شام کو براہ مدینہ جاتا تھا۔ کیا یہ سب مختلف منازل مہات نبوی سچ مچ اسی شاہراہ کارواں پر واقع تھیں؟ جدید محققین کا جواب اثبات میں ہے لیکن یہ جواب ماٰخذ کے واضح بیانات کے خلاف ہے۔ خوش قسمتی سے بعض مہموں کے سلسلے میں مسلم جماعت کے راستے اور قریشی کارواں کی گذرگاہ کے بارے میں بعض ایسے اشارے ملتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ بعض مواقع پر دونوں کے راستے الگ الگ تھے یا کم از کم مسلم مہم کی منزل قریشی کاروانوں کے راستے سے ہٹ کر تھی۔ دوسری ابتدائی مہم کے سلسلے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اگر قریشی کارواں نے ابن سعد کے بیان کے مطابق اپنا راستہ چھوڑ کر جانوروں کی وادی میں چرانے کے لئے قیام نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں سے اس کا سامنا نہ ہوا ہوتا۔ تمام ماٰخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم مہم کی منزل ثنیۃ المرۃ کا ایک چشمہ تھا جو قرائن کے مطابق اس عام شاہراہ تجارت سے پرے تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے شاہراہِ تجارت سے ہٹ کر سفر کیا تھا اور وہاں اندرون

وادی سفر کرتے رہے تھے۔ خرار کے بارے میں اگرچہ ماخذ کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ
ودان کے راستے پر تھا کہ نہیں لیکن اس مہم کے سیاق وسباق سے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ وہ اندرون وادی تھا اور راستے سے کچھ دور تھا۔ اس کی مزید تائید اس
حقیقت سے ہوتی ہے کہ رسول کریم نے اپنے سفر ہجرت کے دوران جو راستہ اختیار
کیا تھا اس پر خرار پڑا تھا[۱۸۸]۔ جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے غزوہ کا
تعلق ہے تو ابواء یقیناً مکی کارواں کے راستے پر واقع تھا لیکن ودان راستے سے
چھ میل اندر کی جانب تھا۔ یہ دلچسپ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ زیادہ تر ماخذ
اس کو غزوۂ ودان ہی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی اہم نکتہ ہے کہ کسی نے بھی کسی کارواں
کے گذرنے نہ گذرنے، اس کی آمد ورفت کی منازل، تعداد و قیادت وغیرہ کے
بارے میں کچھ نہیں کہا ہے جو بالواسطہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ آپ کی منزل قریشی
کارواں کے راستے پر نہ تھی۔ اس طرح باقی دونوں غزووں کی منازل بواط اور
ذوالعشیرہ شاہراہ تجارت سے ہٹ کر واقع تھیں۔

اسی ذیل میں ایک اہم تر نکتہ یہ ہے کہ فوجی حکمت عملی کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے
کہ اگر چھاپہ مارنا ہو تو گذرگاہ یا راستے کے قریب چھپ کر گھات لگانی چاہیئے اور بہتر
یہ طریقہ ہوتا کہ کسی ایک مقام کو خاص کر منتخب کر لینا چاہیئے تھا تاکہ کارواں بچ کر نہ
نکلنے پائے۔ اسلامی تاریخ میں اس کی ایک دلچسپ مثال خود عہد نبوی ہی سے ملتی ہے۔
صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں نے العیص میں قیام کر کے
قریشی کارروانوں کی زندگی عذاب کر دی تھی اور انھوں نے مختصر سی مدت میں کسی کارواں
کو وہاں سے گذرنے نہ دیا تھا[۱۸۹]۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں ایک
مغربی مورخ واٹ کی تحقیق ہے کہ ابوبصیر کا العیص میں قیام اور قریشی کاروانوں پر
تاخت کرنا آپ کی مرضی یا مضمر اجازت سے تھا[۱۹۰]۔ بذات خود وہاں کسی دستے کو مستقل طور

سے متعین نہیں کر سکتے تھے ؟ یہ نکتہ اس حقیقت کی روشنی میں مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اسلام کے پہلے سریہ کی منزل العیص ہی تھی اور وہاں ایک کاروان سے التقا مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی۔ غالباً یہ ایک نقطۂ سفر تھا جہاں سے کاروانِ قریش کا گزرنا ناگزیر تھا جیسا کہ ابوبصیر کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خاص کر اس ذات کے بارے میں جس نے اپنی تمام جنگوں اور مہموں میں بہترین حکمت عملی کا شاندار مظاہرہ کیا تھا کہ وہ کاروانوں کی تاخت کے مسئلہ پر ایسی فوجی بے تدبیری کا مظاہرہ کرے گی کہ مسلسل اپنی فوجی گھات کے علاقوں اور منزلوں کو بدلتی رہے اور اس طرح کاروانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال پیدا کرلے۔

ایک اہم حقیقت جو جدید مورخین کی نظر سے اب تک اوجھل رہی ہے وہ ابتدائی مہموں کے دوران مسلم جماعت کی اپنے علاقے یا منزل پر قیام کی مدت ہے۔ بغدادی کے مطابق سریہ عبیدہ اور سریہ حمزہ میں بالترتیب تقریباً ایک ماہ اور پندرہ دن لگے تھے۔ سریہ خرار کے بارے میں مدت قیام کا علم نہیں ہوتا ہے۔ البتہ غزوۂ ابوا یا ودّان میں واقدی کے بقول پندرہ دن اور بغدادی کے مطابق قریب ایک ماہ کی مدت لگی تھی۔ غزوۂ بواط میں تقریباً سترہ دن لگے تھے اور واقدی کے مطابق یہ مدت ایک ماہ تھی۔ غزوۂ ذوالعشیرہ کے بارے میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے جبکہ دوسرے مآخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے۔ سریہ نخلہ میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے جبکہ دوسرے مآخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے۔ سریہ نخلہ میں بغدادی کے مطابق کل دس بارہ دن لگے تھے۔ جبکہ ینبوع کے غزوہ کے بارے میں وہ تاریخ روانگی کا تو ذکر کرتا ہے مگر تاریخ واپسی کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ہے۔ غالباً ہفتہ عشرہ سے زیادہ مدت نہیں لگی ہوگی کیونکہ اسی کے مطابق وسط شعبان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا آخری ابتدائی غزوہ لے کر سفوان گئے تھے۔ بدقسمتی سے اس غزوہ

کی صحت کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ بہرحال مدینہ سے مسلم مہمات کی مختلف منزلوں کے فاصلے کو مدنظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ تیس اور سو میل کے درمیان ان تمام منازل کا سفر دو سے چھ سات دن کے اندر کیا جا سکتا تھا اور واپسی میں بھی اتنی مدت لگتی۔ دو چار دن سفر کی تکان دور کرنے کے لئے منزل پر قیام کے لئے درکار ہوتے۔ اس لحاظ سے حضرت حمزہ کو ہفتہ عشرہ اور حضرت عبیدہ کو دس پندرہ دن کافی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوسرے غزوہ میں صرف پانچ چھ دن اور باقی میں دس پندرہ دن سے زیادہ درکار نہ تھے[۹۱]۔ خاص کر غزوہ ذوالعشیرہ میں آپ کا قیام کافی طویل تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنی مدت تک آپ کا قیام مبینہ قریشی کاروان کے انتظار میں نہیں تھا۔

واقدی نے بنو جذام کے جس مخبر کی روایت بیان کی ہے وہ اس کے غلط اندازے پر مبنی تھی۔ ورنہ یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی کہ آپ قریشی کاروان کے ایک دو دن پہلے گذرنے کے بعد ذوالعشیرہ پہونچے اور پھر ڈیڑھ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے اس کے انتظار میں۔ اور جب اس کے شام سے لوٹنے کا وقت قریب آیا تو واپس مدینہ آگئے اور پھر وہاں سے ایک نیا لشکر لے کر اس کاروان کو روکنے کے لئے بدر پہونچے اور بالآخر وہ اسی آمد و رفت کے چکر اور حیص بیص کے نتیجہ میں نکل گیا۔ اگر وہی کاروان قریش مراد تھا تو بہتر حکمت عملی یہ ہوتی کہ جہاں اتنی مدت قیام کیا تھا تھوڑا اور رک لیتے اور اگر کمک کی ضرورت تھی تو چند ہرکارے یا ایک مختصر دستہ مدینہ بھیجکر بھیج کر طلب فرما لیتے۔ بہرحال مختلف مہموں میں منازل پر قیام کی مدت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطمح نظر کم از کم قریشی کاروان نہ تھے۔

اسی فوجی حکمت عملی سے وابستہ ایک اور پہلو جاسوسی کے نظام کا ہے[۹۲]۔ جدید مورخین کا اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کاروانوں کے شاہراہ تجارت

پر مدینہ کے قریب سے گذرنے کا علم مسلم جاسوسوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مسلم جاسوس قریشی کاروانوں کے گذرنے کا صحیح وقت تاریخ معلوم کرنے میں ناکام رہتے تھے اس لئے آپ کسی موقع پر تاخت کرنے میں کامیاب نہیں رہے۔ دوسری طرف ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے برخلاف مکی جاسوسی نظام بہت طاقتور اور مستعد تھا اور وہ مسلمانوں کے منصوبوں سے قبل از وقت یا بروقت واقف ہو جاتا تھا اس لئے وہ مسلم فوج یا مہم کے چنگل سے اپنے آپ کو بچا لے جاتا تھا۔[۱۹۳] ایک مورخ واٹ نے اپنی ان دلیلوں کی کاٹ خود نخلہ کی مہم کے سلسلے میں کردی ہے کہ آپ کو وہاں سے گذرنے والے کارواں کی تاریخ گذر کا اتنا صحیح علم تھا کہ مدینہ کا فوجی دستہ تین چار سو کلومیٹر کا سفر کر کے کارواں کو لوٹنے میں کامیاب رہا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ اتنی دور تو مسلم جاسوسوں کی اطلاع صحیح نکلی لیکن اپنے گھر کے پچھواڑے کی صحیح خبر معلوم کرنے میں وہ ناکام رہے۔ اور اس سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے زیر اثر و اقتدار علاقے میں ایک دوبار نہیں پورے چھ سات بار ناکام رہے تھے۔ اس دعوے کو بعض دوسرے حقائق کی روشنی میں دیکھنے سے جدید مورخین کی دلیلوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ بدر سے پہلے جس عظیم قریشی کارواں کو آپ نے پہلی بار شام سے واپسی پر روکنا چاہا تھا اس کے بارے میں آپ کی معلومات اتنی پکی تھیں کہ آپ نے ان دو نول مسلم جاسوسوں کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا تھا جن کو آپ نے قریشی کارواں کے بارے میں تازہ خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا اور آپ شاہراہ تجارت کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے اور عین اس مقام پر پہونچ گئے تھے جہاں سے وہ کارواں بیچ بچ گذرنے والا تھا۔ مگر وہ اپنے زیرک امیر کارواں کی دوراندیشی اور فوجی حکمت عملی کے سبب بچ نکلا تھا۔[۱۹۴] بدر اور حدیبیہ کے دوران جب مکہ و مدینہ

ایک دوسرے سے باقاعدہ جنگ پر تھے مسلم فوج نے کسی قریشی کارواں کو بچ کر نکلنے نہیں دیا تھا۔ اس مدت میں حضرت زید بن حارثہ نے دو قریشی کاروانوں پر نومبر ۶۲۴ء [195] اور ستمبر۔ اکتوبر ۶۲۷ء [196] میں کامیاب چھاپے مارے تھے۔ بس یہی دو کارواں اس دوران گذرے تھے جو مسلمانوں سے بچ کر نہ جاسکے۔ یعنی نہ تو مسلم جاسوسوں نے ناکامی کا منہ دیکھا تھا نہ فوجی غارت گر دستوں اور مہموں نے اور نہ ہی مسلم فوجی حکمت عملی نے منہ کی کھائی تھی۔ اس دوران مسلم فوجی حکمت عملی کی وجہ سے مکی تجارت ختم ہوگئی تھی اور مغرور مکی تاجر بھوکوں مرنے لگے تھے۔ غالباً صلح حدیبیہ پر ان کو مجبور کرنے کا سب سے بڑا سبب بھی اقتصادی صدمہ تھا کیونکہ اسی کے بعد ان کی تجارت کو نئی زندگی ملی تھی اور جب ابو بصیر اور ان کے ستر ساتھیوں نے ان کی تجارت کو پھر تہس نہس کر دیا تو وہ صلح حدیبیہ کی اس شق کو بھی ختم کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ مستدعی ہوئے تھے جو مسلمانان مدینہ و مکہ کو سخت ناگوار تھی۔ اور اس طرح انھوں نے اپنی گرتی ہوئی اقتصادی زندگی کو سنبھالا دینے کی کوشش تھی۔

اس بحث سے ایک اہم حقیقت یہ اجاگر ہوتی ہے کہ قریش مکہ کیا مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت کی پالیسی اپنا کر اقتصادی طور سے زندہ رہ سکتے تھے؟ جواب نفی میں ملتا ہے۔ اس کی کئی دلیلیں اور ثبوت ہیں اول تو مکی تجارت شام جس پر ان کی اقتصادیات کا دارومدار تھا کے بارے میں قریش کا شدید احساس بلکہ حساسیت تھی۔ وہ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کی اقتصادیات کی زندگی اور ان کی اپنی مادی خوشحالی کا انحصار شاہراہ تجارت کے اردگرد بسے ہوئے تمام بدوی قبائل کی دوستی اور تعاون پر ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس پورے علاقے کے تمام عربوں سے حلف اور دوستی کے معاہدے کر رکھے تھے۔[197] یہ عین ممکن ہے کہ ان بدوی قبائل کو قریش سے دوستی کرنے پر ان کی مذہبی، سماجی اور فوجی بالادستی نے بھی مجبور کر دیا ہو لیکن اس امر سے بھی انکار

نہیں کیا جاسکتا کہ غالباً ان بدوؤں کو قریش کاروانوں کے گذرنے سے مادی فوائد حاصل ہوتے ہوں گے۔ بعض جدید مغربی مورخین کو اعتراف ہے کہ تاجر عرب قبیلے بدوی قبائل کو اپنے تجارتی کاروانوں کی بسلامت روی اور بحفاظت گذران کے لئے کچھ معاوضہ دیتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ قریش نے ایسا کوئی محصول دینا کسرشان اور اپنے مقام سے فروتر سمجھا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ علاقے کے بدوی قبائل کو خوش رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے اور حتی الامکان ان کی مادی ضروریات کی تسکین کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کی مدد و تعاون حاصل رہے۔ اس سلسلہ میں مآخذ کا بیان کردہ وہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ کس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر بدر کے کنویں کے قریب دو باندیاں آپس میں ایک معمولی رقم کے قرض کے معاملے میں دست بگریباں تھیں اور کس طرح قرضدار اپنی قرض خواہ سہیلی کو تسلی دے رہی تھی کہ قریشی کارواں کے آنے پر وہ اس کا قرض چکادے گی۔[۹۸]

اس کے سوا یہ حقیقت بھی مآخذ سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ قریشی تاجران مکہ اپنی شاہراہ تجارت پر بسے ہوئے بدوی قبائل سے نہ صرف مخالفت ومخاصمت مول لینے سے گریزاں رہتے تھے بلکہ اس کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ ان کو کسی طرح سے ناراض نہ ہونے دیں۔ اس سلسلے میں دو مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت ابوذر غفاری نے اسلام کے ابتدائی مکی عہد میں جب اپنے قبول اسلام کا برملا اعلان حرم مکہ میں کیا تو قریش کی دینی وسیاسی حمیت اس کو برداشت نہ کرسکی اور انھوں نے صحابی موصوف کو زدوکوب کرنا شروع کردیا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے نے ان کو روکا اور کہا "تم لوگ تاجر ہو اور تمہاری تجارت کا راستہ بنو غفار کے راستے سے گذرتا ہے کیا تم اپنی تجارت کو ختم کرنا چاہتے ہو؟" حضرت عباس کے اس سادہ سے سوال نے بجلی کا کام

کیا اور مارنے والے ہاتھ رک گئے اور نہ صرف رکے رہے بلکہ پھر کبھی ان پر اُٹھ نہ سکے حالانکہ وہ پہلے سے زیادہ اشتعال انگیز اعلانِ اسلام کیا کرتے تھے[199] دوسرے واقعہ کا تعلق ہجرت کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے زمانے سے ہے۔ واقدی اور بخاری کی روایت ہے کہ اس زمانے میں حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گئے اور وہاں اپنے عزیز و قدیم دوست امیہ بن خلف جمحی کے گھر مقیم ہوئے۔ ایک دن عمرہ کرتے ہوئے ان کا سامنا ابوجہل سے ہوگیا۔ اس نے حضرت سعد کو دیکھتے ہی کہا "تم لوگوں نے صابئوں (مسلمانوں) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اس لئے تم لوگوں کو زیارت کعبہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو آج ہی بچ کر نہ جا پاتے" حضرت سعد نے جواب دیا تھا کہ "اگر تم ہمیں حج و عمرہ کی ادائیگی سے روکو گے تو ہم تمھاری تجارت کا راستہ کاٹ دیں گے۔"[200] ظاہر ہے کہ اس جواب نے قریش کے مغرور ترین اور بدترین اسلام دشمن کو بھی ان مشکلات و دقتوں کا احساس دلا دیا تھا جو مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت و جنگ کی صورت میں ان کی تجارت کو لاحق ہو سکتی تھیں اور جو درحقیقت بدر اور حدیبیہ کے دوران اس کو لاحق بھی رہیں جیسا کہ حضرت زید بن حارثہ کی مہمیں[201] اور حضرت ابو بصیر کی کامیاب تاختیں ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے مدینہ سے مکیوں کی دشمنی انھیں کو زیادہ مہنگی پڑتی اور اسی لئے وہ کسی قسم کی مسلح مخاصمت و کھلی جنگ سے پہلو تہی کرتے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مکی مدینہ مخالف یا جنگی پالیسی اختیار کرنے سے گریزاں تھے تو انھوں نے ابو سفیان کے زیر قیادت بدر سے پہلے شام سے واپس ہونے والے قافلے کی حفاظت کے لئے فوجی کارروائی کیوں کی تھی؟ اور قریشی کارواں کے بچ جانے پر مدینہ سے چھیڑ کر جنگ کیوں مول لی تھی؟ جہاں تک

پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے آئے تھے اس کے ثبوت متعدد ہیں مگر یہاں دو کافی ہوں گے۔ مآخذ کا بیان ہے کہ جوں ہی مکیوں کو ممکنہ مسلم حملے کی خبر ملی تو ان میں شدید ردعمل ہوا اور انھوں نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کو کاروان نخلہ کی کہانی دہرانے نہ دیں گے۔[۲۰۲] اور پھر یہ کہ ہر مقتدر و ذی اثر مکی نے اپنی اقتصادیات کو بچانے کے لئے یا تو خود بھرپور حصہ لیا تھا یا اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔[۲۰۳] مآخذ کی کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکہ سے جنگ کی غرض سے نکلے تھے۔ اولین مقصد کارواں کی حفاظت تھی لیکن وہ ہر قسم کی تیاریوں کے ساتھ ہر قسم کے حالات کے لئے مستعد ہو کر آئے تھے۔ دوسرے یہ کہ قریشی کارواں کے بچ جانے کے بعد مکی قائد ابوسفیان نے ان کو واپسی کا حکم بھیجا تھا۔ کیونکہ مکی فوج کا مقصد ـــــ کارواں کا بہ حفاظت نکال لے جانا ـــــ حاصل ہو چکا تھا۔ انھیں[۲۰۴] جذبات اور خیالات کا اظہار قریشی فوج کے اکثر سربرآوردہ سرداروں نے کیا تھا اور[۲۰۵] بعض قبیلے/خاندان تو پورے کے پورے اور کچھ افراد اسی سبب سے واپس بھی چلے گئے تھے۔[۲۰۶] جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب میں مآخذ سے ثبوت ملتا ہے کہ قریش کے کارواں کے بچ نکلنے کے بعد بدر تک اقدام کرنا اور وہاں قیام کرنا جنگ کی خاطر نہ تھا بلکہ قبائل عرب کے لئے عموماً اور مسلمانان مدینہ کے لئے خصوصاً طاقت کا مظاہرہ تھا جیسا کہ ابوجہل کی تقریر و اصرار سے ظاہر ہوتا ہے اور جو واقعتاً صحیح بھی تھا[۲۰۷] لیکن بدر میں مسلم فوج کی موجودگی نے مسلم دشمن طبقے کو موقعہ سے فائدہ اٹھانے پر اکسایا کیونکہ اس طرح ان کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے مسلم خطرہ کو مٹا دیں گے۔ معتدل طبقۂ قریش اس موقعہ پر بھی سماجی و قبائلی اسباب کے علاوہ اقتصادی پہلو سے جنگ سے گریزاں تھا لیکن حامیٔ جنگ طبقہ یقینی فتح دیکھ کر پیچھے ہٹنے کو تیار

ذ تھا۔ اپنی عددی قوت، بہتر سامانِ جنگ، جنگ کے طویل تجربے وغیرہ پر ان کو غرہ تھا اور یقین تھا کہ فتح ان ہی کو ہوگی[۴۹]۔ اگر ان کو ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ شکست کا بھی امکان ہے تو وہ یقیناً جنگ سے ہاتھ روک لیتے۔ لیکن ان کے اندازے غلط نکلے اور انھوں نے اپنی شامی تجارت کو خطرات میں ڈال لیا جو اب تک اس کو درپیش نہ تھے اور اگر تھے تو خطرات کے بادل بکھر چکے تھے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور اہم نکتے پر بحث کی جائے۔ جدید مغربی مورخین کا خیال ہے کہ ابتدائی مسلم مہموں کی قریشی تجارت پر چھاپہ مار کارروائیوں کی وجہ سے قریش مکہ اپنی تجارت کی سلامتی کی طرف سے متفکر و متردد تھے۔ اور دراصل یہ مسلم مہمیں مکیوں کے لئے شدید اشتعال انگیز کارروائیاں تھیں۔ کیا مآخذ سے قریشی تجارت کو ان مہمات سے سچ مچ خطرات درپیش ہونا ثابت ہوتا ہے اور کیا قریشیوں کو ان خطرات کا واقعہ نخلہ تک بلکہ اس کے بعد قریشی کارواں کے شام سے واپسی تک کا احساس ہوا تھا اور کیا وہ ان مسلم مہموں کو انھیں نظروں سے دیکھتے تھے جن نظروں سے جدید مغربی مورخین اور ہمارے بعض مسلم سیرت نگار دیکھتے ہیں؟ اس سلسلے میں کئی نکات پر غور کرنا ضروری ہے۔

اول نکتہ مکیوں کے جاسوسی نظام سے متعلق ہے۔ جدید مورخین کا دعویٰ ہے کہ چھ سات مواقع پر متعدد چالاک مکی جاسوسوں کی چوکس نظر و خبر پر وہ اپنے کاروانوں کو بچالے جانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ مآخذ میں مکی جاسوسوں اور ان کی کارگذاری کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ اس کے برخلاف عظیم قریشی کارواں کو مکہ سے شام جاتے ہوئے ابن سعد اور ان کے استاد کے دعوے کے مطابق مسلم اقدام تاخت کی خبر کیا سن گن تک نہ ملی تھی بلکہ جب پہلی بار ان کو واقدی کے بقول حدودِ شام میں واپسی پر ایسی کسی صورت حال کے امکان

کا علم ہوا تھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور کاروان والوں نے اعتراف کیا تھا کہ ان کو مسلم ارادوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔[۲۱] قریش کے عظیم تجارتی قافلے کے بارے میں مکی جاسوسوں کی یہ کارگذاری اور مستعدی تھی اس سے باقی کاروانوں کے بارے میں ان کی مستعدی اور کارگذاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدر سے پہلے تک ان کو مسلم تاخت و غارت گری کے ارادوں کا قطعی کوئی علم نہ تھا اور نہ کوئی احساس ہی۔

اگر مکی تجارت کو مسلم مہموں سے کوئی واقعی خطرہ تاجران قریش کو محسوس ہوا تھا تو ان کی بکثرت آمد و رفت پر تھوڑی بہت پابندی لگنی فطری تھی یا کم از کم اسی پیمانے پر ان کی آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی جتنی کہ خطرہ کے احساس سے پہلے ہو رہی تھی۔ ابتدائی مہموں کے سلسلے میں ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۶۲۳ء اور جنوری ۶۲۴ء کی دس ماہہ مدت کے دوران قریش نے چھ کارواں بھیجے تھے۔ مگر مدینہ سے جنگ مول لے لینے کے بعد نومبر ۶۲۴ء اور ستمبر۔ اکتوبر ۶۲۷ء کی تین سال کی مدت میں وہ صرف دو کارواں مغربی و مشرقی شاہراہ تجارت پر بھیج سکے تھے۔ اس تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ نے کس طرح مکی اقتصادیات کو متاثر کیا تھا۔ اور کس طرح ان کے کاروانوں کی تیز رفتار آمد و رفت پر پابندی لگی تھی۔ ہجرت اور بدر کے درمیان اتنی زیادہ تعداد میں مکی کاروانوں کا شام جانا یوں بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ ماخذ نے ابتدائی مہموں کے بارے میں اگر تاثر یہی دیا ہے کہ مسلمانوں نے ہر موقعہ پر کسی نہ کسی کاروان مکہ کو نشانہ بنایا تھا یا بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ شامی تجارت کی شاہراہ سفر کرنے والے کاروانوں میں سے صرف تین کا واضح انداز میں ذکر ملتا ہے۔ ایک سریہ حمزہ کے دوران، دوسرا سریہ عبیدہ کے موقعہ پر اور تیسرا غزوۂ بواط میں۔ ان

سے بھی پہلے دو کاروانوں کا مسلم مہم والوں سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ باقی کسی کا نہیں
اس سے زیادہ حیرت انگیز معاملہ یہ ہے کہ اس پورے زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی مڈبھیڑ کسی کارواں سے تینوں مہموں میں نہ ہو سکی۔ غزوۂ مذکورہ بالا میں جس
قریشی کارواں کا ذکر ہے وہ بھی آپ کی منزل پر آمد سے قبل نکل چکا تھا۔ بہر حال
ان تین قریشی کاروانوں کے بارے میں مکمل تفصیلات ملتی ہیں کہ وہ کہاں سے آرہے
تھے، کہاں جارہے تھے، اس میں کتنے لوگ تھے اور ان کے قائد کون تھے؟ غزوۂ بواط
کے کاروان قریش کے بارے میں سامانِ تجارت کا بھی ذکر یا حوالہ ملتا ہے۔ بہر حال
یہ تفصیلات اعتماد پیدا کرتی ہیں کہ یہ مکی کارواں حقیقتاً اسی زمانے میں گذرے تھے
اگرچہ غزوۂ بواط میں مذکور قریشی کا معاملہ بھی خاصا مشتبہ ہے۔ باقی تین مواقع سریہ
خرار اور غزوات ودان و ذوالعشیرہ کے بارے میں قریشی کاروانوں کا ذکر بڑے
مبہم انداز میں کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں کسی قسم کی کوئی واضح خبر نہیں ملتی ہے۔ اس
سے شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ کارواں دراصل کبھی گذرے ہی نہ تھے ورنہ راوی
ان کی کچھ ضروری تفصیلات ضرور بیان کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلفین سیر
اور راویان صدر اول قریش کی اسلام دشمنی کے پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی ہر تحریک کو سمجھتے تھے جیسا کہ میں ~~اوپر~~ کہہ چکا ہوں اور اسی بنا پر انھوں نے ہر مہم
کے ساتھ قریش یا قریشی کارواں کا ذکر کر دیا یا اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ بعض مورخین و مؤلفین کے نزدیک بھی کاروانوں کا معاملہ مشتبہ تھا اسی لئے
ان کے یہاں ان کا بعض مواقع پر حوالہ بھی نہیں ملتا ہے خصوصاً محمد بن حبیب بغدادی
نے اس کی دس ابتدائی مہموں کے بارے میں کسی قریشی کارواں کا حوالہ تک نہیں
دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قریش کی شام سے تجارت
اسلام سے پہلے زمانے میں یا عہد نبوی میں خاصی اوسط درجہ کی تھی۔ اندازۂ قریش

کے عظیم ترین کارواں کی مالیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ قریش نے جب اپنی تمام ترنقد دولت اور سامان تجارت اس میں جھونک دیا تھا تو اس کی مالیت پچاس ہزار دینار یا چھ لاکھ درہم ہو سکی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مالیت اصل سرمایہ کی تھی یا بشمول منافع تھی۔ جو بعض اندازوں بلکہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سو فیصد[۲۱۱] تھا۔ اصل سرمایہ کی صورت میں شام سے واپسی پر کل مالیت کا تخمینہ ایک لاکھ درہم رہا ہوگا یعنی تقریباً بارہ لاکھ درہم۔ بظاہر یہ رقم خاصی خطیر معلوم ہوتی ہے لیکن اس پس منظر میں کہ یہ پورے شہر مکہ کے تاجروں کی کل دولت تھی یا اس کا بیشتر حصہ تھا خاصی حقیر رقم تھی۔ خاص کر چند برسوں کے بعد مسلم تاجروں میں سب سے کمزور اور پست طبقے کے تاجر کا سرمایہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔[۲۱۲] بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مکی تجارت بہت ہی مختصر پیمانے پر ہو رہی تھی اور اس حقیقت کی روشنی میں مکی کاروانوں کی اتنی تیز رفتاری سے شام جانا خاصا مشتبہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی سے متعلق ایک مسئلہ عددی طاقت کا ہے۔ جدید مورخین کے اس دعوی کی روشنی میں کہ مکی تجارت کو ان مہموں سے خطرہ پیدا ہو چلا تھا اور اس پر مکیوں کو تشویش تھی اس لئے مکی کاروانوں کے ساتھ محافظوں کی تعداد یا افرادی طاقت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے تھی تاکہ مسلم ارادوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوا جا سکے۔ لیکن حیرت اس وقت ہوتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے کاروانوں کی عددی طاقت ہر کارواں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پہلے کارواں میں تعداد تین سو بتائی گئی ہے، دوسرے میں دو سو اور تیسری میں صرف ساٹھ جبکہ پانچویں کارواں میں ان کی تعداد سو ہو جاتی ہے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ عظیم ترین قریشی کارواں میں ابتدائی مورخین کے بقول صرف تیس یا چالیس اور عروہ کے خط بنام عبدالملک کے مطابق زیادہ سے زیادہ ستر تھی۔ موخرالذکر کارواں میں قریشی محافظوں کی قلت تعداد کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ پہلے

قریشی کاروانوں میں ان کے محافظوں کی تعداد میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ بہر حال مبالغہ ہو یا نہ ہو قریشی کاروانوں کی عددی قوت کی ہر کارواں میں مسلسل کمی ثابت کرتی ہے کہ جنگ بدر تک قریشیوں کو اپنی تجارت کے لئے کم از کم کوئی خطرہ مسلمانان مدینہ سے عموماً اور مسلم ابتدائی مہموں سے خصوصاً محسوس نہیں ہوا تھا۔ بہر حال یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ قریشیوں نے دیدہ و دانستہ خطرات کو دیکھ کر اپنے کاروانوں کی حفاظت کا بندوبست نہیں کیا تھا۔ وہ اتنے غیر محتاط لوگ نہ تھے۔

اسی طرح خود مسلم مہموں میں افرادی طاقت ثابت کرتی ہے کہ ان مہموں کا مقصد لوٹ مار نہ تھا۔ پہلی مہم میں تیس مسلمانوں کا سامنا تین سو سے ہو چکا تھا۔ فوجی حکمت عملی کے علاوہ محض عقل سلیم کا تقاضا تھا کہ آئندہ مہم میں مسلم فوجی طاقت زیادہ سے زیادہ کی جاتی۔ اتنی کہ اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اگر برتر نہ ہوتی تو بہت زیادہ فروتر بھی نہ ہوتی یا کم از کم ان دونوں کا تفاوت کئی گنا تو نہ ہوتا۔ مگر دوسری مہم میں یہ تعداد محض دوگنی ہو سکی۔ اور تیسری مہم میں مسلمان صرف آٹھ یا پندرہ بیس تھے۔ چوتھی مہم میں یہ تعداد بڑھ کر اگرچہ پھر ساٹھ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی بہت کم تھی۔ پانچویں مہم میں البتہ یہ تعداد معتدبہ تھی یعنی دو سو لیکن پھر چھٹی مہم میں وہ کم ہو گئی تھی اور ڈیڑھ دو سو کے بیچ تھی اور آٹھویں مہم میں تو محض آٹھ آدمی تھے اور کارروائی صرف چھ نے کی تھی۔ باقی دو مہموں میں مسلم جماعت کی عددی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بہر حال یہ گھٹتی بڑھتی تعداد یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تجربات سے کچھ نہ سیکھا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ بعد کے زمانے میں جب مسلمان اپنے دشمنوں سے برسرپیکار تھے تو ہم مسلمانوں کی تعداد میں ہر آنے والی مہم میں چند در چند اضافہ پاتے ہیں اور ایک موٹے سے اندازہ کے مطابق دو مہموں کے درمیان یہ اضافہ تقریباً تین گنا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمان تین سو سے اوپر تھے[۲۱۳] تو جنگ احد میں ان کی تعداد ساڑھے سات سو تھی بلکہ شروع میں ایک ہزار تھی[۲۱۴]۔ جنگ خلاق میں مسلم سپاہ

تین ہزار تھی[۲۱۵] اور فتح مکہ کی مہم میں دس ہزار کا لشکر جرار تھا[۲۱۶] جو بقول ابوسفیان بنو حرب پورا لوہے میں غرق تھا۔ اور اگرچہ غزوۂ تبوک مکیوں کے خلاف نہ تھا تاہم اس میں مسلم فوج کی تیس ہزار[۲۱۸] تعداد ثابت کرتی ہے کہ اسلامی مملکت نے تصادم اور جنگ کے زمانے میں اپنی فوج کی عددی طاقت کو ہمیشہ بڑھایا ہی تھا اور کبھی گھٹانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ اس پس منظر میں ابتدائی مہموں میں مسلم جماعتوں کی گھٹتی بڑھتی کی تعداد کو دیکھنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان مہموں میں دشمن سے کسی قسم کی نبرد آزمائی مقصود نہ تھی۔

—(جاری)—

اجتہاد کا تاریخی پس منظر

تالیف: مولانا محمد تقی امینی

اجتہاد کا مسئلہ تاریخ کے ہر دور میں نازک سمجھا گیا اور ہر دور میں اس کی ضرورت و اہمیت محسوس کی گئی ہے لیکن اس مسئلہ پر کوئی جامع اور محققانہ کتاب اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی تھی خوشی کی بات ہے کہ مولانا امینی جن کا اصل میدان فقہ و اجتہاد ہے اور عرصہ سے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے ادھر توجہ کی اور یہ کتاب مرتب کر کے اہل علم پر احسان عظیم کیا۔ کتاب کے مباحث میں اس قدر جامعیت و تنوع ہے کہ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اصول فقہ کی جس قدر اصطلاحات ہیں ان کو نہایت سلیس و دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ حضرات اساتذہ درس کے وقت اور طلباء مطالعہ کے وقت ضرور اپنے پاس رکھیں۔ قیمت ۱۵ روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی